محمد حنیف ندوی

تاثرات

اسلام نے فکر و عقیدہ کے کن کن گوشوں کو بدلا، اور رسم و رواج کے کن کن بندھنوں کو توڑا، یہ ایک تفصیل طلب مسئلہ ہے مگر اتنی بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ اسلام کی بدولت انسانی معاشرہ اخوت و مساوات کے پیغام سے پہلی دفعہ آشنا ہوا۔ اور برادرانہ جذبہ یگانگی کا یہ نقشہ پہلی دفعہ چشم فلک نے دیکھا کہ خواجہ و غلام ایک ہی صف میں اپنے آقا کے روبرو کھڑے ہیں۔ علاوہ ازیں بلالؓ، صہیبؓ اور زیدؓ کو مسلمانوں میں بعینہٖ وہی حقوق و مراعات حاصل ہیں جن سے ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ بہرہ مند ہیں۔ یعنی اسلامی جمعیت رنگ و ادن کے کسی تعصب سے دوچار نہیں اور رتبہ و درجہ کا کوئی اختلاف اس کے لیے وجہ خلش نہیں۔ اس لیے کہ اسلامی حلقوں میں کسی شخص کی ترقی و پذیرائی کا معیار یہ نہیں کہ اس کا تعلق کس پُرافتخار قبیلے سے ہے۔ کس اونچے خاندان اور مغرور نسل سے ہے۔ یا اس کے پاس دولت و ثروت کی ریل پیل کس درجہ ہے۔ اس کے برعکس معیار یہ ہے کہ معنوی خوبیوں سے یہ کتنا آراستہ ہے اور علم و کردار کے لحاظ سے کتنا بلند ہے۔

اسلام نے جس مسئلہ کو اس آسانی سے حل کر دیا تھا، آج مہذب دنیا اس میں کس طرح گرفتار اور کتنی بے بس ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ پچھلے دنوں امریکہ میں تمام مذہبی اداروں کی ایک مشترکہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں لگ بھگ ایک ہزار مندوبین نے شرکت کی۔ دیکھنے اور سننے والوں کو اس پر مستزاد سمجھیے۔ سوال یہ تھا کہ یورپ سے رنگ و نسل کے تعصبات کو کیونکر ختم کیا جا سکتا ہے۔ اور اچھی خاصی پڑھی لکھی اور شائستہ و متمدن قوم کی جبینِ ناز سے ان شرمناک داغ دھبوں کو کس طرح مٹایا جا سکتا ہے کہ جن کو رنگ و نسل کی تنگ نظری نے ابھار دیا ہے اور جن کی وجہ سے مغرب

تمام ایشیائی قوموں میں ذلیل و رسوا ہو رہا ہے۔ نسلی تعصب نے ایک مستقل اور ناقابل حل اشکال کی صورت اس بنا پر بھی اختیار کر لی ہے کہ محض اس کی بدولت افریقہ میں مغربی استعمار کو زک پہنچی ہے، اور وہ مجبور ہو رہا ہے کہ بتدریج اختیار و اقتدار کے تمام خانوں سے دست کش ہوتا چلا جائے۔ ان لوگوں کی بے چارگی ملاحظہ ہو کہ کلیساؤں کی قومی تنظیم کے سربراہ کیمبل کو اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہی بن پڑا کہ ——— "صاحب، عالمی سطح پر اس مسئلہ کا حل ناممکن ہے۔ نسلی امتیاز اس حد تک ہماری رگ و پے میں رچ گیا ہے کہ اس کو دور نہیں کیا جا سکتا۔" اس سے زیادہ انھوں نے یہ کہا کہ وہ وقت دور نہیں جب کالی قومیں گوری قوموں کو مار بھگائیں گی اور ان کے بچے اپنے کھلونوں کے ساتھ پناہ گاہوں میں گھسنے پر مجبور ہوں گے اور رنگ و نسل کا کوئی پندار ان کو اس تباہی سے بچا نہیں سکے گا۔

ایک دوسرے مذہبی رہنما نے کہا "حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ سوا رو دینے اور نوحہ خوانی کے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔"

یہ مایوسی اس بنا پر نہیں کہ عیسائیت نے لوگوں کو ایک پرچم تلے جمع ہونے کی تعلیم نہیں دی۔ مایوسی کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اسلام نے عملاً ایک ایسے معاشرہ کی تاسیس کی کہ جس میں کالے گورے اور اعلیٰ و ادنیٰ کے امتیاز کو ختم کر دیا گیا تھا اس طرح عیسائیت نے نہیں کیا۔ مشہور فلسفی مورخ ٹائن بی کا یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوؤں میں اگر بھائی چارہ اور اخوت و مساوات کا جذبہ ابھرا ہے تو کسی داخلی تقاضے سے نہیں بلکہ یہ تہذیبِ مغربی کے فروغ و ارتقاء کا کرشمہ ہے کہ ذات پات کے گہرے اختلافات نظروں میں کھٹکنے لگے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح عیسائیت میں یہ افکار عیسائی روایات کا نتیجہ نہیں بلکہ مسلمانوں سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے کہ عیسائیت کی پوری تاریخ میں اس اشکال کے حل کرنے پر زور نہیں دیا گیا اور نہ ایسے معاشرہ کی تعمیر میں کوئی سنجیدہ کوشش ہی کی گئی ہے کہ جس میں یہ مصنوعی نشیب و فراز نہ ہوں۔ عمل و کردار کا یہی وہ تفاوت ہے جس کی برکتوں نے مسلمانوں میں زوال و انحطاط کے بدترین دور میں بھی رنگ و نسل کے تعصبات کو کہیں پنپنے نہیں دیا۔ اور سیرت و عمل کی یہی وہ خوبی ہے کہ جس کے نہ ہونے سے عیسائیت ہمیشہ اس نعمت سے محروم رہی۔ ورنہ